فقہ کی جدید تدوین

از مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دارالعلوم معینیہ درگاہ اجمیر شریف

ہر کام کا ایک محل اور ہر تجویز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ بے محل کام اور بے موقع تجویز سے مفید نتیجہ نہیں برآمد ہوتا ہے بلکہ اور الٹے مضر اثرات ہی کا اندیشہ رہتا ہے۔

"فقہ کی جدید تدوین" کا معاملہ بھی موقع اور محل کی "نزاکتوں" سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک ان "نزاکتوں" کو سامنے رکھ کر اس کے حدود و خطوط متعین نہ کئے جائیں گے اس وقت تک خاطر خواہ کامیابی کی توقع ناممکن ہے۔ اس لئے کام کی ابتدا سے پہلے ضروری ہے کہ فضا کی ہمواری کا اندازہ لگایا جائے اور معاشرہ میں ضبط و انگیز کی صلاحیت کا جائزہ لیا جائے۔ پھر جس درجہ کی ہمواری اور صلاحیت کا پتہ چلے اسی درجہ میں یہ کام انجام دیا جائے۔

اس کے علاوہ قانون کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور خاص قسم کی روح اس کے رگ و ریشہ میں سرایت ہوتی ہے۔ روح اور مزاج کی رعایت کے بغیر قانون کے ذریعہ نہ معاشرہ کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ ہی وہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے جس کے پیش نظر قانون وضع کیا گیا ہے۔

مذہبی قانون کے معاملہ میں یہ رعایت اور زیادہ "نزاکت" اختیار کر لیتی ہے کیونکہ قانون کے کردار اور اثر کا تعلق بڑی حد تک روح اور مزاج ہی سے وابستہ ہے۔ جب اس سے غفلت برتی گئی تو قانون "موثر" ہونے کے بجائے خود "متاثر" ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنی "قوت ارادیہ" ختم کر کے معاشرتی ناہمواریوں اور بشری کمزوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک رسم یا محض "ضابطہ کی خانہ پری" کے باقی رہ جاتی ہے۔ اور تقریباً ساری افادی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں مذہب خود مذہب کا دشمن بنتا ہے اور حقیقی مذہب اپنے قیام و بقاء کے لئے اس

"رواجی مذہب" سے نبرد آزمائی" پر مجبور ہوتا ہے کہ اس کے بغیر نہ مذہب کی معجز نمائی صلاحیت" بروئے کار آسکتی ہے اور نہ ہی وہ معاشرہ میں اپنی افادی نوعیت برقرار رکھ سکتا ہے۔

قانون کی تعلیم اور اس کے نفاذ کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے قانون کی عمدگی اور حسبِ حال اس کی تدوین سے کوئی خاص نتیجہ نہ برآمد ہوگا جب تک اس کی تعلیم اور طریقِ تعلیم میں بنیادی تبدیلی نہ ہو اور نفاذ میں موقع شناسی اور امانت و دیانت سے کام نہ لیا جائے اگر اس کا مناسب اور نہایت معقول بند وبست نہ کیا گیا تو "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کے مصداق قانون بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

ذیل میں اس سلسلہ کی چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے معاشرتی حالت اور ضبط وانگیز کی صلاحیت کا اندازہ لگانے میں سہولت ہوگی نیز یہ بات واضح ہوگی کہ موجودہ حالت میں کس درجہ کی "تدوین" قابلِ قبول ہو سکتی ہے اور اس کا نقشہ کیا ہونا چاہیئے۔؟

مسلم معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم ہے | (۱) مسلم معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم ہے اور تینوں کے زاویۂ نگاہ میں بنیادی فرق موجود ہے:-

(الف) ایک طبقہ ایسا ہے جس کے سامنے نہ موجودہ دنیا کے حالات و مسائل ہیں اور نہ ہی اسلامی قانون کی لچک اور تغیر پذیر صورت ہے، وہ حکومتی سطح پر نہ اسلام کو قائم کرنے کے لئے سوچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت اس کو محسوس ہوتی ہے۔ بس ایک محدود صورت میں چند جزئیات و فروع اس کے سامنے ہیں اور انھیں کی حد تک وہ کل اسلام کی نمائندگی کا دعویدار ہے۔ ایسی حالت میں یہ توقع کیونکر ممکن ہے کہ اس عظیم الشان کام میں یہ طبقہ کچھ مدد کر سکیگا؟ لیکن نظر انداز اس بنا پر نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بیشتر عوام اپنے مذہبی معاملات میں اسی طبقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(ب) اس کے مقابل دوسرا طبقہ انتہائی سطحی اور کم ظرف ہے۔ وہ اپنے "امانت خانہ" کے اصلی لعل و جواہر کے عوض دوسروں سے "سنگریزے" اور "خزف ریزے" خرید چکا ہے اور اپنی سطحیت و کم ظرفی کی بنا پر انہیں کو "لعل و جواہر" سمجھ بیٹھا ہے۔ اس بنا پر یہ طبقہ اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اسلام کا ایک "جدید ایڈیشن" تیار کرنا چاہتا ہے جس کی تقریباً ہر چیز باہر سے برآمد کی گئی ہو۔

چونکہ قدامت کی قدر و قیمت اس کے دل سے نکل چکی ہے اور ماضی کی وہ عظیم الشان روایتیں جن پر قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اس کی نظر میں فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کی یادگار بن چکی ہیں، اس لئے یہ طبقہ مذہبی اور قانونی معاملات میں پہلے طبقہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

لیکن موجودہ دنیا کی "ٹکنک" سے یہ طبقہ زیادہ واقف ہے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلنا بھی خوب جانتا ہے، اس بنا پر توقع ہے کہ جو چیز رائج ہو کر چل پڑے گی، ذاتی اغراض و مفاد کے حصول کے لئے اُسی کو بطور "آلہ کار" استعمال کرنے لگے گا۔

(ج) درمیانی طبقہ قدامت پسند ہی اور قدامت ہی اس کو جان سے زیادہ عزیز ہے لیکن حالات و تقاضہ کی روشنی میں قدیم چیزوں کی نئی ترتیب و تہذیب چاہتا ہے، نئے اسلوب اور فہمائش کے نئے انداز کا مطالبہ کرتا ہے، اس طرح وہ "کہنہ شراب" کو حسبِ ضرورت نئی بوتلوں میں دیکھنے کا خواہشمند ہے تاکہ اس کی افادیت برقرار رہے نیز ماضی اور حال کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے اور قوم اپنی شاندار ماضی کی بنیادوں پر حال اور مستقبل کی عمارت تعمیر کر سکے۔

دراصل یہی طبقہ مسلم معاشرہ کی بیداری کی علامت ہے جس قدر اس میں اضافہ ہوتا جائیگا اور علمی و عملی میدان میں اس کی ترقی رونما ہوگی اسی قدر قوم ترقی یافتہ سمجھی جائے گی۔

فقہ کے "جدید تدوین کی آواز" اسی طبقہ کے بیقرار دل کی آواز ہے اور اسی کو مقصود بنا کر اس کام کو کرنا ہے۔ اگر اس کی فطری خواہش اور جائز ضرورت کو بھی نظر انداز کر دیا گیا تو نتیجہ نہایت بھیانک صورت میں ظاہر ہوگا کہ یہ طبقہ یا تو مجبوراً خودکشی کرلے گا اور یا "متجددین" کے دام تزویر میں پھنس کر اپنے کو اسلام کی خود ساختہ تعبیر کے حوالہ کر دے گا۔

قانون کے بقا کے لئے عظمت و تقدس کے بغیر چارہ نہیں ہے

(۲) قانون کے ثبات اور استحکام کے لئے نفسیاتی اور فطری طور پر دو چیزیں ضروری ہیں (۱) عظمت اور تقدس۔

"عظمت" سے قارب میں قانون کا وقار اور احترام برقرار رہتا ہے اور "تقدس" سے قانون میں خاص قسم کی شان دلربائی اور جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔ اگر کسی مجموعۂ قوانین سے یہ دونوں نکل جائیں تو پھر وہ زندگی

میں نہ اپنا مقام بنا سکتا ہے اور نہ اس کے اصلی کردار کی نمود ہو سکتی ہے۔

مذہبی قانون کی بنیاد ہی "عظمت و تقدس" پر قائم ہے اور قانون کی تاریخ شاہد ہے کہ انسانی زندگی جس قدر مذہبی قانون سے متاثر ہوتی ہے خالص دنیوی قانون سے اُس کا عُشرِ عشیر بھی متاثر نہیں ہو سکی ہے، اس کی بڑی وجہ مذہب میں "عظمت و تقدس" کا تحفظ ہے۔ اس بنا پر "جدید تدوین" کی ایسی کوئی آواز قابلِ قبول نہ ہو سکے گی جس سے ان دونوں پر کسی طرح زد پڑنے کا اندیشہ ہو یا قانون کی تبدیلی کی ذہنیت عام ہونے کا خطرہ ہو۔

جدید تدوین کی احتیاطی صورت | احتیاطی صورت یہ ہے کہ قانون کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے (۱) وہ جس کا تعلق عقاید، عبادات، اخلاق وغیرہ انسان کی انفرادی زندگی سے ہے (۲) وہ جس کا تعلق معاشرت، معاشیات و سیاسیات وغیرہ ملکی قانون سے ہے۔ عوام کا زیادہ تر تعلق پہلے حصہ سے ہے، اس میں سردست نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ ہی موجودہ حالت میں قوم تبدیلی کی متحمل ہے۔ صرف جدید ترتیب قائم کرتے ہوئے بعض مباحث کو مقدم و موخر کرنے سے یہ کام ہو جائے گا اور اگر اس میں بھی کاٹ چھانٹ کی گئی تو تبدیلی کی ذہنیت عوام میں سرایت کر جائے گی اور قانون کا وقار ان کے دل سے نکل کر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی، پھر دنیوی قانون کی طرح مذہبی قوانین کی بھی مٹی پلید ہونے لگے گی۔

دوسرے حصہ میں کافی غور و خوض کے بعد نقشہ مرتب ہو سکے گا جس میں حالات و تقاضہ کے مطابق نئی ترتیب قائم کرنا، نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور جن مباحث کو زمانہ کے مفتی نے ختم کر دیا ہے ان کو ترتیب سے نکال دینا وغیرہ سبھی امور شامل ہیں۔

موجودہ دنیا کی دینی اور دنیوی تقسیم نے اس کام کو بہت زیادہ دشوار بنا دیا ہے جب تک اس تقسیم پر قابو نہ پایا جائے اور دین و دنیا کے بارے میں اسلامی زاویۂ نگاہ نہ پیدا ہو، اس وقت تک کے لئے آسان صورت یہی ہے کہ پہلے حصہ کو زیادہ نہ چھیڑا جائے صرف طرقِ تعلیم بدلنے پر اکتفا کیا جائے اور ملکی قانون (دوسرے حصہ) کو نئے انداز میں مرتب کر لیا جائے۔

الٰہی شریعت کی ساخت اور اس کے قوانین کا باہمی ربط اس قسم کا ہے کہ دینی اور دنیاوی قانون کے

درمیان حدِ فاصل قائم کرنا تقریباً ناممکن ہے پھر بھی غور و فکر کے بعد غلبہ کی صورت نکل سکتی ہے اور ملکی قانون کے نام پر بہترین مجموعۂ الٰہی حکمت عملی اور فقہی قواعد و ضوابط کے مطابق تیار کیا جا سکتا ہے۔

مختلف مسلک کو ملا کر نئی فقہ تیار کرنے کا ابھی وقت نہیں ہے

رہی یہ بات کہ ائمہ قانون کے مختلف مذاہب کو سامنے رکھ کر ایک نئی فقہ تیار کی جائے اور اسی پر عمل درآمد کی مسلم ممالک کو بھی دعوت دی جائے۔ یہ قبل از وقت بات ہے، اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے کافی عرصہ درکار ہے۔ دراصل قومی و جماعتی زندگی کا وہ وقت نہایت نازک ہوتا ہے جب اس کو ایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لایا جاتا ہے۔ اگر اس میں دوسرے مقام کو جذب اور انگیز کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے اور پہلے سے بھی وہ اکھڑ چکی ہے تو نتیجہ لازمی طور سے ذہنی طوائف الملوکی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی تو یہ "وقت" اس قدر سخت ہوتا ہے کہ بنیادی عقائد و نظریات تک سے بدظنی عام ہو جاتی ہے پھر اپنی ہستی اور وجود تک کو فنا کر دینے میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی ہے۔

مسلم قوم میں ابھی اس درجہ کے ضبط و انگیز کی صلاحیت نہیں پیدا ہو سکی ہے کہ وہ قانونی جزئیات و فروع میں "آفاقیت" کے تصور کو جذب کر سکے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک کی ترقی میں اسلام سے کہیں زیادہ قومیت کا عنصر پایا جاتا ہے اس لئے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لئے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے بلکہ اور الٹے مضراثرات کا قوی اندیشہ ہے۔

موزوں صورت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس ملک میں جو فقہ رائج ہو اسی کو سامنے رکھ کر جدید تدوین کا کام کیا جائے، البتہ جن مسائل میں حالات و تقاضہ کے مطابق تبدیلی کرنی پڑے یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ایسے مواقع میں دوسری فقہ نیز اختلاف فقہاء سے ضرور مدد لی جائے کہ اس کے بغیر اس کام کی اور کوئی شکل ہی نہیں ہے۔

اس طریق کار میں "قومی فقہ" کے "غلط نظریہ" کو کسی درجہ میں تقویت پہونچنے کا اندیشہ ہے لیکن بڑے اور اہم مقصد کی خاطر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کئے بغیر موجودہ دور میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں ہو سکتی ہے۔

جدید تدوین سے ایک جائز اور تمدنی ضرورت کی تکمیل ہوگی

(۳) قانون کا وجود شدید احساس اور ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ ساری ضرورتیں بیک وقت پیدا ہوتی ہیں اور نہ ہر جگہ کی ضرورتیں یکساں ہوتی ہیں

جن ممالک میں مسلم حکومتیں قائم ہیں اور عوام کی طرف سے اسلامی قانون کا مطالبہ شدید ہے، وہاں کے لئے واقعی ملکی قانون مرتب کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جس قسم کے نئے حالات و مسائل سے انہیں سابقہ ہے اور قیام و بقا کے لئے جیسی جدوجہد سے وہ گذر رہے ہیں اس میں اگر اسلامی قانون کی رہبری نہ ہوئی تو ایک زبردست خلاء پیدا ہو جائے گا جس کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔

اس میں شک نہیں کہ خلاء دور ہونے کے بعد بھی صاحب ہوس و غرض اور اقتدار پسند حضرات اسلامی قانون کو بروئے کار لانے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں گے اور بڑی حد تک وہ کامیاب بھی ہونگے۔ کیونکہ مجموعی حیثیت سے قوم کا مزاج "اسلامی" ابتک نہیں بن سکا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے زمانہ میں نہ اسلامی حدود و خطوط پر قوم کی تربیت کی گئی اور نہ ہی قائدین نے اس کی ضرورت سمجھی۔

اس کے باوجود ان ممالک میں "جدید تدوین" سے ایک جائز اور تمدنی ضرورت کی تکمیل ہوگی اور اس کے مطابق تعلیم و تربیت سے جدید حالات و تقاضہ کی روشنی میں اسلام کی ترجمانی کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ پھر رفتہ رفتہ حکومت بھی اسلامی قانون نافذ کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

موجودہ دور میں اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کا حق ادا ہوگا

جن ممالک میں اسلامی حکومتیں نہیں ہیں اور مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں بیشک عملی طور پر نہ نئے حالات و مسائل ہیں اور نہ نئی قسم کی جدوجہد ہے کہ جس کی بنا پر کوئی خلاء محسوس کیا جائے اور وہ جدید تدوین کا متقاضی بنے۔

لیکن جب اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس کی حیات بخش تعلیم میں ہر دور کے حقیقی اور واقعی مسائل کا حل موجود ہے اور زندگی کی تعمیر کے لئے وہ ایسے نقشہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسمیں جسمانی اور روحانی دونوں مسرتوں کا سامان خاص قسم کی موزونیت اور ترتیب کے ساتھ ہے۔ تو جب تک قدیم انداز کو نئے قالب میں نہ ڈھالا جائیگا اور پیش آمدہ مسائل کا حل نہ تلاش کیا جائے گا موجودہ دنیا میں اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کا حق کیسے ادا کیا جا سکتا ہے۔

جدید تدوین سے جب نئی چیز سامنے آئے گی تو یقیناً اس کی مخالفت شدید ہوگی لیکن غور و فکر کا موقع ملے گا اور

رفتہ رفتہ سمائی پیدا ہوتی جائے گی۔ پھر جس قدر شعور بیدار ہوتا جائیگا اس کے قبول کرنے میں جھجک نہ محسوس ہوگی اور بہت سے حضرات تو ابتدا ہی میں قبول کرلیں گے۔

تیسری جدوجہد میں مخالفت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اب تو صورت ایسی بن گئی ہے کہ جب تک مخالفت نہ کی جائے کوئی جدوجہد بروئے کار نہیں آتی ہے اس بنا پر سمائی اور مانگیز کی ضرورت ہے نہ کہ تعمیری کام سے پیچھے قدم ہٹانے کی۔

موجودہ طریقِ تعلیم سے عصبیت پیدا ہوتی ہے

(۴) جدید تدوین کا اہم جزو طریقِ تعلیم کی تبدیلی ہے۔ ہمارے مدارس میں جس انداز سے قانون (فقہ) کی تعلیم دی جاتی ہے اس سے مختلف "مکاتب فکر" کے درمیان "عصبیت" کی ذہنیت ابھرتی ہے۔

"عصبیت" فی نفسہ بری شے نہیں ہے بلکہ قومی ترقی کے لئے بسا اوقات ضروری ہے، بالخصوص ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کہ اس کے بغیر وہ اپنے مذہب و ناموس کا تحفظ ہی نہیں کرسکتے ہیں۔

لیکن فقہ کے سلسلہ میں جو "ذہنیت" ایک مسلک کے برحق ہونے اور دوسرے کے غلط و باطل ہونے کا ثبوت فراہم کرے وہ یقیناً مذموم اور اس "عصبیت" کے مشابہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور قرآن حکیم میں اس کو "حمیت جاہلیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"کتاب و سنت جن پر فقہی احکام کی بنیاد ہے، ان میں موقع و محل کے لحاظ سے بڑی وسعت و فراخی ہے۔ ادھر بطور عقیدہ یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ چاروں مسلک برحق ہیں۔ پھر تعلیم اس انداز سے دینا کہ اس سے صرف ایک ہی مسلک کی تائید و توثیق ہو اور لازمی طور سے دوسرے "مکاتب" کا بطلان ثابت ہو، اس طریق سے نہ صرف یہ کہ اندرونی سرچشمہ خشک ہوکر جمود و تنگ نظری کی فضا عام ہوتی ہے بلکہ نبوی تعلیم کا ایک معتدبہ حصہ معطل بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ "سنتِ نبوی" کا مرتب و مدون ذخیرہ جس شکل میں اب ہمارے سامنے موجود ہے وہ فقہ کی قدیم تدوین کے وقت ائمۂ قانون کے سامنے موجود نہ تھا اور نہ اختلاف کی خلیج نہ اس قدر وسیع ہوتی اور نہ ہی اختلاف کی موجودہ نوعیت ہوتی۔

سنت نبوی کے ذریعہ بڑی حد تک اختلاف کم کیا جا سکتا ہے

آج موجودہ ذخیرہ سے کام لے کر بڑی حد تک اختلاف کا "تصفیہ" کیا جا سکتا ہے لیکن سب سے پہلے ذہن و مزاج کے اصلاح کی ضرورت ہے کہ وہ دونوں "اختلافی" بن چکے ہیں اور نصاب تعلیم میں تبدیلی لازمی ہے کہ اس کے بغیر وسعتِ نظر نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ جب وسعت اور سمائی ہوگی تو لامحالہ طریق تعلیم اس قسم کا ناقابل برداشت ہوگا جس سے کسی "امام فن" کی تنقیص لازم آئے یا ایک مسلک کی تائید میں اس انداز سے بحث کی جائے کہ گویا دوسرے مسلک والے بحیثیت "مجرم" کٹہرے میں کھڑے ہیں اور "وکیل" فرد جرم عائد کرنے کے لئے طرح طرح کی دلیلیں اور قسم قسم کے ثبوت پیش کر رہا ہے۔

بدقسمتی سے موجودہ نظامِ تعلیم میں اختلافی مباحث ہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اساتذہ اور طلباء دونوں ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں بلکہ اکثر قابلیت کا معیار یہی مباحث قرار پاتے ہیں اور امتحان تک کے پرچوں میں اُن کو اونچی حیثیت دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں بآسانی اُن سے نجات مشکل ہے جب تک اس سلسلہ کی آواز منظم تحریک کی شکل نہ اختیار کرے گی کوئی توقع نہیں کہ نصاب میں تبدیلی ہوگی یا طریق تعلیم بدلے گا۔

موجودہ نصابِ تعلیم اور طریقِ تعلیم کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں ہے اس نے اپنے دور میں بہت افراد پیدا کئے ہیں اور دین کی نہایت مفید خدمت انجام دی ہے لیکن اب اس کا دور گذر چکا ہے۔ نیا دور اور اس کے نئے تقاضے ہیں، اس بنا پر اس کی تبدیلی کے بغیر اہم دینی خدمت کی توقع نہیں ہے۔

اصولِ قانون ہی کو نئے انداز میں مرتب کرنے کی ضرورت ہے

(۴) جدید تدوین کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اصولِ قانون کو نئے انداز میں مرتب کیا جائے عرصہ سے فقہی جزئیات میں اصول سے کام نہ لینے کی بنا پر قانون اور اصول کے درمیان پردہ حائل ہو چکا ہے اور وہ اصول جو قانون کے سرچشمہ تھے معطل بن کر رہ گئے ہیں۔

ادہر "لا کالجوں" میں جو اسلامی قانون کی تعلیم دیجاتی ہے اس میں اصول کی تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلاشبہ کالجوں میں طلباء کو مختلف قسم کے قوانین کی تعلیم دی جاتی ہے حتیٰ کہ "رومن لا" جیسے قدیم قانون سے بھی واقفیت کرائی جاتی ہے۔ لیکن یہ ساری معلومات موجودہ عدالتی ضروریات کے پیش نظر ہوتی ہیں اُن کے ذریعہ اسلامی قانون میں صحیح زاویۂ نگاہ پیدا ہونے اور موقع و محل کے لحاظ سے اسلامی قانون کی کوئی مفید خدمت انجام دینے کی توقع رکھنا خود فریبی ہے۔

اسلامی قانون کی خدمت کے لئے ضروری ہو کہ اس کے سرچشمہ (اصول فقہ) کی تعلیم اور اس میں بصیرت حاصل کی جائے۔ علم اور معلومات میں فرق ہے اگر صرف معلومات سے علوم وفنون کی تحصیل ہو جاتی تو ڈاکٹری اور انجنیری وغیرہ کے علے مستقل کورس اور (PRECTICAL WORK) کی ضرورت نہ ہوتی جب تک کسی فن میں علم کا درجہ حاصل نہ ہو اور فنی مہارت نہ ہو اس وقت تک فنی خدمت کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہو

اصول قانون کا فن بلاشرکت غیرے مسلمانوں کا ایجاد ہے

قانون کی تاریخ میں بلا شرکت غیرے مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے قانون کو سرسبز و سدابہار رکھنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے جو استنباط و استخراج کے لئے "ضابطہ" کا کام دیتے ہیں۔ فقہ کی قدیم تدوین کے زمانہ میں ان اصول سے بہت کام لیا گیا اور انہیں کی بدولت فقہ مرتب و مدون کی گئی۔

لیکن بعد میں مخصوص حالات کی بنا پر ان اصول سے کام لینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی جس کی بنا پر اس کی حیثیت محض کورس کی تکمیل اور "خانہ پری" کے باقی رہ گئی ہے۔

اب جبکہ حالات کی تبدیلی سے "جدید تدوین" کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اصول فقہ کو بھی نئی ترتیب سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ہو۔

(۱) موجودہ تقاضہ کے پیش نظر مسائل میں باہمی ربط و نظم پیدا کیا جائے۔

(۲) فقہار کے درمیان اختلاف کے وسیع سلسلہ کو کم کیا جائے۔

(۳) جو مثالیں اور وضاحتیں قدیم زمانہ کی ہیں اور اب اُن کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے انہیں جدید "ضرورتوں" میں لایا جائے۔

(۴) اس فن پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حالات و تقاضہ کے مطابق اس میں وسعت بھی دی جا سکتی ہے اور وسعت کی توثیق قدیم اصولوں سے ہو سکتی ہے۔

جدید تدوین میں اجماع کو متحرک اور جاندار بنانے کی ضرورت ہے

(۵) جدید تدوین کو قابلِ عمل اور قابلِ نفاذ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اصول اجماع کو متحرک اور جاندار بنایا جائے۔

اسلامی قانون میں یہ اصول جس قدر زیادہ اہم ہے اسی قدر اس سے بے توجہی برتی گئی ہے۔ شخصی

حکومتوں کے زمانہ میں اس بنا پر اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی کہ حکومتیں عموماً اس قسم کا کوئی "ادارہ" برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہیں جو ایک طرف تو حالات و مسائل میں آزادانہ غور و فکر اور فیصلہ کا حامل ہو اور دوسری طرف عوامی رجحان کو مائل کرنے کی اس میں طاقت ہو۔

دراصل اس سیاسی مفاد کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں "اجماع" جیسے اہم اصول کو بروئے کار آنے کا موقع نہ مل سکا اور بعد میں یہ خیال عام ہوگیا کہ "اجماع" میں چونکہ جمیع امت کا اتفاق ہونا چاہیئے اور یہ صورت حال تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اجماع کا انعقاد بھی ناممکن ہے"۔

حالانکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"اصل ثالث از اصول شریعت اجماع است باز اجماعیکہ متخیل اہل زمان است بمعنی اتفاق جمیع امت مرحومہ بحیث لایشذ منھم فرد واحد نصاً من کل واحد منھم خیال محال است ہرگز واقع نشدہ" ؎۱

پھر آگے چل کر کہتے ہیں۔

"اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہل حل و عقد است از مفتیان امصار ایں معنی در مسائل مصرحہ فاروق اعظم یافتہ می شود کہ اہل حل و عقد براں اتفاق کردہ اند۔

وتلو آن فتوی جمعی غفیر و سکوت باقین وتلو آن اختلاف علی قولین کہ درحکم اتفاق بر نفی قول ثالث است وتلو آن اتفاق اہل حرمین وخلفاء کہ بحکم ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا وحدیث" علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ" ؎۲

اجماع کی ممکن العمل صورت | اجماع کی اصل اور ممکن العمل صورت یہی ہے کہ قانونی معاملات میں اہل حل و عقد کی ایک مجلس مشاورت قائم ہو اور وہ حالات و مسائل میں غور و فکر کے بعد اس کا صحیح حل تجویز کرے جو ایک طرف کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اور دوسری طرف ضروریات زندگی سے ہم آہنگی پیدا کرنے والا اور دشواریوں

؎۱ ازالۃ الخفاء ص۸۵ ؎۲ حوالہ بالا

پر قابو پانے والا ہو۔

یہ مجلس مشاورت "پرائیویٹ" اور نجی ہو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ حکومت کی آمیزش کے بعد زیادہ توقع نہیں ہے کہ آزادانہ غور و فکر کا پورا موقع مل سکیگا پھر قدیم تدوین کے وقت بھی یہ کام نجی ہی طور پر کیا گیا تھا۔ اگر "پرائیویٹ" کی صورت نہ بن سکے تو اہلِ حل و عقد کے انتخاب میں اس امر کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ حکومت زدہ افراد اور مسحور و مرعوب ذہن و دماغ اس سے علیحدہ رکھے جائیں، ایسے افراد کی شناخت اُن کے گذشتہ علمی اور عملی کاموں سے کی جا سکتی ہے۔

اجماع کے اختیارات | باقاعدہ اجماع منعقد ہونے کے بعد فقہاء نے اس کے درج ذیل اختیارات تسلیم کئے ہیں

(۱) حالات و تقاضہ کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پُرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے اُن میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوتے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و موخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں مقامی حالات، رسم و رواج، خصائل و عادات ملحوظ ہیں، اُن کی رُوح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر اُن کے لئے نیا قالب تیار کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضہ اور مصلحت کے تحت ہیں، موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت اُن میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں، معقول دلیل کی بناء پر اُن میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات و تقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ

جدید تدوین اجتہاد کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے | (۷) جدید تدوین کا کام اجتہاد کے بغیر نہیں انجام دیا جا سکتا ہے۔ اب تک اس سلسلہ میں جو ردّ و قدح چلتی رہی ہے اس کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ ایک حد تک صاحبِ صلاحیت افراد ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔ انہیں کام کی ضرورت کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا اُن کے مواقع نہیں میسّر

آتے ہیں، اس بنا پر اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتی ہیں۔

ایک طبقہ جو اجتہاد کا پُرزور حامی ہے وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے اُس کی نظر میں عملاً اجتہاد کا دروازہ بند ہو کر اس کی کنجی تک گم ہو چکی ہے۔

خوشی کی بات ہو کہ قدیم و جدید دونوں طبقوں سے ایک ایسا طبقہ اُبھر رہا ہے جو اعتدال پسند ہے۔ اُسی کی صلاحیتوں سے توقع ہے کہ اس کام کو ٹھیک طریقہ پر انجام دے سکیگا۔

قدیم فقہائے نے اجتہاد کے لیے کافی سامان فراہم کر دیا ہے۔ اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے، کام کر کے دکھایا ہی یہ سب کچھ ایک مرتب و مدون شکل میں موجود و محفوظ ہے اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری اور کیا ہوگی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جُرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اُس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

وہ اصول جن سے تدوین میں کافی مدد ملتی ہے

اجتہاد کے سلسلہ میں درج ذیل اصول سے کافی مدد ملتی ہے۔

(۱) قرآن حکیم کے موقع و محل کی تعیین میں سیرتِ نبوی اور عہدِ صحابہ سے استفادہ

(۲) "حدیث" کے سلسلہ میں روایت اور درایت دونوں سے کام لینا۔

(۳) قیاس

(۴) استحسان

(۵) استصلاح یا مصالح مرسلہ

(۶) استدلال

(۷) تعامل

(۸) عرف و رواج۔

(۹) مسلمہ شخصیتوں کی رائیں

(۱۰) ملکی قانون (جن سے کسی اصولِ کلیہ پر زد نہ پڑتی ہو۔)

مجموعی حیثیت سے یہ اس قدر جامع اور وسیع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات و تقاضہ کے مناسب

بہترین "تدوین" ہو سکتی ہے (ہر ایک کی تفصیل گذر چکی ہے)

ایک غلط فہمی کا ازالہ (۷) یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ مروجہ فقہ کی کتابوں میں جو موجود و محفوظ ہے وہ متعلقہ امام فن اور اُس کے خاص شاگردوں ہی کے اقوال و فتاویٰ ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) ہی کے اقوال و فتاویٰ حنفی کتب فقہ میں درج ہیں، یہی خیال دوسرے ائمہ اور اُن کے مسلک کی کتابوں کے بارے میں ہے۔

حالانکہ بہت سے اقوال و فتاویٰ بعد کے فقہار کے بھی ان کتابوں میں درج ہیں اور "تخریج کرخی" و "تخریج طحاوی" وغیرہ ناموں سے تصریح بھی آتی ہے، اس کے باوجود دونوں کی حیثیت و اہمیت میں فرق نہیں کیا جاتا ہے۔

یہی حال اصولِ فقہ کے بارے میں ہے کہ سارے احکام و مسائل کو سمجھا جاتا ہے کہ یہ متعلقہ امام فن کے وضع کردہ ہیں، حالانکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو ائمہ کے کلام کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کئے گئے ہیں۔

اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہے کہ جو عظمت و اہمیت ائمہ کے اقوال و فتاویٰ کی ہے وہی ان سب کی قائم ہے اور پھر جو سلوک اُن کے ساتھ ہوتا ہے، اسی کے یہ سب مستحق قرار پائے ہیں "جدید تدوین" کے وقت ان میں امتیاز بہر حال ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ ایک طرف فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوگی اور دوسری طرف استنباط و استخراج کی نئی راہیں تلاش کرنے میں سہولت ہوگی۔

متقدمین کی کتابوں میں زیادہ وسعت اور سلجھاؤ ہے (۸) متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں بہت فرق ہے۔ فکر و نظر کی جو وسعت متقدمین کے یہاں ملتی ہے متاخرین کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی طرح احکام و مسائل کے سلجھاؤ کی جو صورت اُن کے یہاں ہے متاخرین کے یہاں مفقود ہے (اس فرق و امتیاز کے وجوہ و اسباب ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے) جدید تدوین کے لئے متقدمین کی کتابوں سے استفادہ بڑی اہمیت رکھتا ہے بلکہ اس کے بغیر یہ کام تکمیل ہی کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

بدقسمتی سے ہماری نظریں "شامی" اور "عالمگیری" پر محدود ہو کر رہ گئی ہیں اور اب تو "بہشتی زیور" اور "بہار شریعت" تک نوبت آپہنچ گئی ہے، ایسی صورت میں کیا توقع ہے کہ فکر و نظر میں گنجائش نکل سکے گی اور اور "فتاویٰ" کا کوئی معیار مقرر ہو سکے گا۔

نقہ ہر دور میں اجتماع اور معاشرہ سے متاثر ہوا ہے

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ترتیب وتدوین کے وقت تک فقہ اسلامی چار دور سے گذرا ہے۔

(۱) فقہ رسول اللہ کے زمانۂ حیات میں سنا ھ تک

(۲) فقہ عہدِ صحابہ میں سنہ ھ تک

(۳) فقہ صغارِ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں دوسری صدی ہجری کی ابتدار تک

(۴) فقہ دوسری صدی کی ابتدار سے چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف تک (تفصیل گذر چکی ہے)

ہر دور کے اجتماعی مقامی اور معاشرتی حالات کا اثر اجتہادات و فتاویٰ میں ناگزیر طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنار پر "جدید تدوین" میں بھی موجودہ اجتماع مقام اور معاشرہ کا اثر ظاہر ہوگا اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انگیز کر کے اعتدال کی صورت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض امام اور ان کے مسلک کے شہرت پانے کی وجہ

(۱۰) بعض امام زیادہ مشہور اور ان کا مسلک زیادہ مروج ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُن کے اجتہادات صحیح اور دوسروں کے غلط ہیں بلکہ شہرت اور رواج پانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ خاص حالات کی بنار پر اُن کی تمام رائیں محفوظ کر لی گئی ہیں اور شاگردوں کو اُن کی اشاعت کا کافی موقع ملا ہے۔ نیز حکومت نے اپنے مفاد کے بیشِ نظر بعض کے مقابلہ میں بعض کی زیادہ سرپرستی کی ہے۔

جدید تدوین کے وقت اس صورتِ حال سے مرعوب اور متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جس کی رائے زیادہ قرینِ صواب اور ضروریات کو پوری کرنے والی ہو اسی کو قبول کرنا چاہیئے۔

آخری بات یہ ہے کہ جدید تدوین کا کام انتہائی محنت و جانفشانی کا ہے اس میں آرام طلبی و سہولت پسندی نیز ضابطہ کی خانہ پُری سے قطعاً کام نہ چلے گا اس کے لئے خونِ جگر پینے اور شب و روز ایک کئے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ مفیدِ مقصد جدید تدوین نہ ہو سکے گی۔